رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر

شرح چندہ
سالانہ ۵
ششماہی ۳
سہ ماہی ۲

قیمت پرانا پرچہ ۴؍
قیمت فی پرچہ ۲؍

جلد ۵ | ۱۰ آبان ۱۳۵۴ف | ۸ شوال ۱۳۶۴ھ | ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء شنبہ | نمبر ۲۲

نفع اندوزوں کی وطن پرستی

از

جمنا داس دوارکا داس

ان حالات پر ایک گہری نظر ڈالنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا جو دوران جنگ ہندوستان میں رونما ہوئے۔ مختلف قسم کے کنٹرول قائم کرنے کے لئے قانون مدافعت ہند کو استعمال کیا گیا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دوران جنگ میں زندگی کے مختلف شعبوں میں کنٹرول قائم کرنے کی ضرورت ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ حکومت ہند نے رسد کے انتظامات کے لئے جو قواعد نافذ کئے ان کو اس طرح استعمال کیا گیا کہ ہندوستان کے باشندوں کے لئے ان کی زندگی دوبھر ہو گئی۔ مشرق بعید کے ممالک میں دوران جنگ کے آغاز کے بعد سے اور انکے متعلق جو مشکلات پیدا ہو گئیں وہ مشکلات ہندوستان میں بیرونی حکومت کے عام ہونے ہی سے موجود تھیں اور ایک کہنہ مرض بن گئی ہیں لیکن جنگ سے ان مشکلات میں اور اضافہ ہو گیا اور باشندگان ملک کی معاشی صورت حال ابتر ہو گئی۔ حکومت کی بے توجہی اور تغافل کی مجھے اتنی شکایت نہیں۔ یہ ایک قدرتی بات ہے لیکن مجھے شکایت ہے اپنے ان ابنائے وطن سے جن کی شرمناک اور انسانیت سوز روش نے ملک میں مصنوعی قحط پیدا کر کے ہزارہا باشندگان ملک کو موت کا راستہ دکھایا۔

میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ رشوت ستانی اور چور بازار کو وجود میں لانے کی بڑی ذمہ داری ان عہدہ داروں پر عائد ہوتی ہے جن کے ہاتھ میں مختلف قسم کے کنٹرول کا نفاذ تھا۔ کپڑے کے کنٹرول کا دفتر ہو یا راشن فراہم کرنے کا دفتر ہو یا کوئی اور دفتر جو دوران جنگ میں معرض وجود میں آیا ہو وہاں رشوت ستانی اور بدعنوانیوں کا دور دورہ رہا۔

کنٹرول قائم کرنے کا مقصد تھا کہ نفع اندوزی اور چور بازار کا قلع قمع کیا جائے لیکن برطانوی ہند میں یہ چیزیں نگرانی کے باوجود باقی رہیں۔ اور ذخیرہ بازوں اور نفع اندوزوں نے اس بات کی ہرگز پرواہ نہیں کی کہ ان کے عمل سے ابنائے وطن کس مصیبت کا شکار ہو جائیں گے۔ وہ اشیائے مایحتاج سے قطع نظر روزمرہ استعمال کی دوسری چیزیں مثال کے طور پر ——— غذا اور کپڑا۔ سرمایہ داروں نے ان کے ذخائر اس مقصد سے پوشیدہ رکھے کہ چور بازار میں من مانی قیمت وصول کی جا سکے۔ ان کی اس انسانیت سوز حرکت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگال اور دوسرے مقامات پر مصنوعی قحط پیدا ہوا۔ ابھی اس کا اثر ختم نہیں ہوا ہے

کہ اس محکمے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ برطانوی حکومت، صوبہ واری حکومت اور سرمایہ دار سب اس ذمہ داری میں شریک ہیں۔ سرمایہ داروں میں نفع اندوزی اور حرص و آز کا جذبہ اتنا غالب تھا کہ اپنے ہم وطن کی ہلاکت بھی ان کو ٹس سے مس نہ کر سکی۔ میں نے اپنی زندگی کے ۶۵ سال کے دوران میں دولت سمیٹنے کی ایسی ہوس کبھی نہیں دیکھی۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ دولت مند افراد اپنے لاکھوں ابنائے وطن کو مرتے دیکھ کر بھی کیوں متاثر نہیں ہوئے۔ یہ داستان مکمل نہ ہوگی اگر یہ نہ بتایا جائے کہ چور بازار میں کمائی ہوئی دولت کو محفوظ کرنے کے کیا طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض نفع اندوزوں نے سونے کی اینٹیں اور بڑی بڑی عمارتیں خریدی ہیں۔ اگر نفع اندوز کار خیر میں بڑی بڑی رقمیں دیتے ہیں۔ قومی کاموں کے لئے کانگریس اور دوسرے لیڈروں نے جو فنڈ کھولے ہیں ان میں بھی یہ نفع اندوز دل کھول کر چندہ دیتے ہیں اور اس طرح اپنی وطن پرستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اگر قومی حکومت قائم ہو تو اس کا پہلا فرض یہ ہونا چاہئے کہ ان ہولناک واقعات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کرے اور ان انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو عبرت ناک سزا دے اور ان قیدیوں کے ساتھ کوئی رعایت نہ کی جائے۔ مجھے پنڈت جواہر لال نہرو کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ اس قسم کے لوگ اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں سولی دی جائے۔ یہ نفع اندوز ایک طرف قومی لیڈروں کی بھی حمایت کرتے ہیں اور دوسری طرف حکومت وقت سے بھی مراعات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ [illegible]

مملکت ہفتہ وار

جلد ۵	حیدرآباد دکن	نمبر ۲۲

ٹیلیفون

جن اصحاب اور اداروں کو ٹیلیفون ڈائرکٹری میں اپنا نام شریک کرانے کا شرف حاصل ہے اُن میں سے اکثروں نے ان میں سے کہا ہے کہ حیدرآباد کے ٹیلیفون نظام میں اصلاح و ترقی کی گنجائش ہے۔ یہ شکایت عام ہے کہ اگر گفتگو کرنے والا کسی خاص نمبر سے ملانا چاہے تو احتیاط کے باوجود کسی اور نمبر سے ٹیلیفون مل جاتا ہے۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی نمبر سے ٹیلیفون ملایا جائے تو وہ نمبر مصروف معلوم ہوتا ہے حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔ ایک اور شکایت یہ سُنی گئی کہ دوران گفتگو عجیب و غریب اور پریشان کن آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی نمبر سے ملانے کے لئے رسیور اٹھا کر کان سے لگائے تو دو اصحاب کی باہمی گفتگو بتمام و کمال سنائی دیتی ہے۔ ایک دفعہ ہمیں بھی ایسا اتفاق ہوا۔ یہ گفتگو اس قدر دلچسپ تھی کہ ہم نے رسیور رکھ دیا۔ یہ ایک معمولی معاملہ تھا لیکن سوال یہ ہے کہ جہاں آٹومیٹک ایکسچینج نصب ہو وہاں دو دوستوں کی گفتگو کسی تیسرے شخص کو کیوں سنائی دے۔

ان واقعات سے جو نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا ٹیلیفونی نظام فنی اعتبار سے ناقص ہے اور ہمارے فنی عہدہ دار یا تو ان نقائص کو رفع کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے یا انہوں نے اس جانب توجہ نہیں کی۔ بہت ممکن ہے کہ ٹیلیفون استعمال کرنے والوں میں بعض ایسے بھی خوش نصیب ہوں جنہیں ان شکایتوں سے سابقہ نہ پڑا ہو لیکن ایسے چند خوش نصیبوں کی شہادت متذکرہ بالا شکایتوں کی اہمیت کو گھٹا نہیں سکتی۔ ہم آنریبل نواب زین یار جنگ بہادر سے متوقع ہیں وہ اس مسئلہ کی تحقیقات کرائیں گے اور اگر مقامی ماہرین ان نقائص کو رفع کرنے سے واقعی قاصر ہیں تو برطانوی ہند سے کسی ماہر فن کو طلب کرکے اس ضروری کام کی تکمیل فرمائیں گے۔ اگر قصور ماہرین کا نہیں بلکہ مشنری کا ہے تو ہم ارباب متعلقہ سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ نئی مشنری حاصل کرنے یا پرانی مشنری کو درست کرکے قابل کار بنانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ ٹیلیفون کی ضرورت کا احساس اب عام ہوتا جا رہا ہے۔ ہر تاجر، ڈاکٹر، وکیل اور ہر عہدہ دار چاہتا ہے کہ اپنے مکان یا کاروباری مقام پر ٹیلیفون نصب کرائے۔ زمانہ جنگ میں اولویت جنگ کی خاطر بہت ساری درخواستیں نامنظور کی گئیں یا معرض التوا میں رکھی گئیں۔ اب زمانہ امن میں ایسے درخواست گزاروں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ہم یہ بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ ٹیلیفون کے آلے جو اکثر چندہ دہندگان کے لئے فراہم کئے گئے ہیں وہ بھی ناقص ہیں۔ خود ٹیلیفون ڈائرکٹری کی ترتیب و اشاعت بھی قابل اعتراض ہے۔ ہر چندہ دہندے کو یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے چندہ دہندوں کی مکمل فہرست حاصل کرے۔ تازہ ترین ڈائرکٹری کے متعلق شکایت یہ ہے کہ اس میں نمبر یا پتہ کی تبدیلی کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ یہ شکایت بھی سنی گئی کہ فہرست بجائے خود مکمل نہیں۔ پس اگر ڈائرکٹری کی ترتیب اور اشاعت سے متعلق سررشتہ ٹیلیفون کو مشورہ دینے کے لئے اہل الرائے اصحاب کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے سررشتہ کو اچھا مشورہ ملے گا اور کام خوش سلیقگی سے انجام پائے گا۔ ایک تکلیف دہ شکایت یہ بھی ہے کہ اگر ٹیلیفون خراب ہو جائے اور اس کو درست کرنے کے لئے سررشتہ کو توجہ دلائی جائے تو رفع شکایت میں بڑی عجلت سے کام نہیں لیا جاتا۔ یہ شکایت ہم نے غیر سرکاری اصحاب سے سنی ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو سررشتہ کا عمل نہایت غلط ہے۔ چندہ دہندہ خواہ عہدہ دار ہو یا غیر عہدہ دار بہر حال چندہ دہندہ ہے اور مساوی حقوق رکھتا ہے۔ ان دونوں کے مابین امتیاز کرنے کی کوشش درست نہیں۔

آخر میں ہم ارباب متعلقہ تک ایک اور شکایت کو پہنچا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ آلات ٹیلیفون کی تنصیب میں جہاں بعض ڈاکٹروں یا ایسے تاجروں کی درخواستوں کو نظر انداز کر دیا گیا جن کا تعلق عوام سے بہت قریبی ہے وہاں رشید بازار کے ہر دلال اور ہر اس فرم کو جو اسٹاک ایکسچینج سے ساز کرتی ہے ایک سے زیادہ ٹیلیفون دے گئے۔ اس عمل سے متعلق جو عام بدگمانی ظاہر کی جاتی ہے وہ اس نوعیت کی ہے کہ ہم اپنے کالموں میں اس کا اظہار کرکے سررشتہ کی بدنامی کا باعث ہونا نہیں چاہتے۔ یہ سارے امور ایسے ہیں جو آنریبل نواب زین یار جنگ بہادر اور دیگر متعلقہ عہدہ داروں کی خصوصی توجہ کے محتاج اور مستحق ہیں۔ ہم یہ معلوم کرنے کے منتظر رہیں گے کہ انہوں نے ان شکایتوں پر کیا توجہ کی۔

حق خوداردیت

حق خود ارادیت سے متعلق اپنے ایک سابقہ بیان کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس نے ایک صحافتی بیان میں فرمایا ہے کہ حق خود ارادیت ایک معینہ رقبہ کی آبادی کا حق ہے۔ اگر ایسے رقبہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو تو ان کا مسلمانوں کا فیصلہ اس رقبہ کا فیصلہ متصور ہوگا۔ مگر ایسے رقبہ میں رہنے والی اقلیت کو حق رائے دہی سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ جن رقبوں میں مسلمان اکثریت میں نہیں ان کو اس بات کا اندیشہ نہ ہونا چاہئے کہ جو فیصلہ ان کا اپنا نہ ہوگا وہ ان کے سر تھوپا جائے گا۔ اس یقین آفرینی کے بعد مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دیگر آزاد فضا میں اس تجویز پر غور کریں کہ آیا انہیں ہندوستانی یونین میں شریک ہونا چاہئے یا اس سے علحدہ رہنا چاہئے۔

حق خود ارادیت کا جو تصور مولانا نے پیش فرمایا ہے کیا وہ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہے؟ کیا اس تصور کی بنیاد پر کانگریس اور لیگ میں مفاہمت ممکن ہے؟ موجودہ دستور کی روشنی میں کیا اس تصور سے وہ سارے شبہات اور شکوک

۔ مع ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں تب پائے جاتے ہیں یا اس تعداد کا تجزیہ کرکے کامریڈ ادہیکاری نے ان کئے جو مضرات اپنے ایک مضمون میں پیش کئے ہیں ان پر گہری نظر ڈالنے سے ہمارے خیال میں یہ شکوک اور شبہات اور قوی ہو جاتے ہیں۔ کامریڈ ادہیکاری کا خیال ہے کہ انتخابات میں مسلم لیگ کو کمزور کرنے کے لئے یہ تجویز پیش کی گئی ہے۔ کانگریس آنے والے انتخابات کو مجلس دستور ساز کے انتخابات کے مترادف سمجھتی ہے، چنانچہ متعدد کانگریسی لیڈروں نے یہی رائے ظاہر کی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ انتخابات مجلس دستور ساز کی تشکیل کو ذریعہ بن جائیں۔ کامریڈ ادہیکاری اس تجویز کو تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد صوبائی مجالس مقننہ جن میں نشستوں کی تقسیم ۱۹۳۵ء کے سامراجی کمیونل اوارڈ کی بنیاد پر ہے اپنے علاقوں کی مجالس قانون ساز بن جائیں گی۔ اب اگر ہم مولانا کی تجویز کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنے بیٹھیں کہ دونوں صوبوں کو حق خود ارادیت علیحدگی ملنا چاہئے یا نہیں تو حسب ذیل نتائج پیدا ہوں گے۔

صوبہ سرحد میں (۵۰) نشستوں میں سے (۳۶) نشستیں مسلمانوں کی ہیں۔ کانگریس اگر صرف (۳۰) فی صد مسلم ووٹ دینے والوں کی حمایت حاصل کرے تو وہ اس علاقے کے حق خود ارادیت کے مطالبہ کو رد کر سکتی ہے۔ جس کی مسلم آبادی (۹۱٫۸) ہے۔

سندھ کے صوبہ میں (۶۰) میں سے (۳۴) مسلم نشستیں ہیں۔ کانگریس اگر صرف (۲۵) فی صد مسلم ووٹ دینے والوں کی حمایت حاصل کرے تو وہ اس علاقے کے حق خود ارادیت کے مطالبہ کو رد کر سکتی ہے جس کی مسلم آبادی (۷۰٫۷) ہے۔

پنجاب میں (۱۷۵) نشستیں ہیں سے (۸۶) مسلم نشستیں ہیں کانگریس صرف (۳۰) فی صدی مسلم نشستیں حاصل کرکے مغربی پنجاب کو حق خود ارادیت دینے سے انکار کر سکتی ہے جس کی مسلم آبادی (۶۲) فی صد ہے۔

بنگال میں (۲۵۰) نشستوں میں سے (۱۱۹) نشستیں مسلمانوں کی ہیں۔ اگر مسلم لیگ تمام نشستیں جیت لے تب بھی وہ اقلیت میں رہتی ہے۔ اس لئے بنگال میں ایک بھی مسلم نشست حاصل کئے بغیر کانگریس مشرقی بنگال کے علاقے کو حق خود ارادیت سے محروم کر سکتی ہے جس کی مسلم آبادی (۷۰) فی صد ہے۔

اس غیر جمہوری طریقے سے اور کمیونل اوارڈ کے بل بوتے پر کانگریس مسلم علاقوں کے حق خود ارادیت کے مطالبہ کو شکست دینے کے لئے الکشن میں شریک ہونا چاہتی ہے۔"

مسلم لیگ ان چالوں سے بخوبی واقف ہے اور اسی لئے وہ ہمیشہ اپنے اس مطالبہ پر مصر رہی کہ حق خود ارادیت کے مسئلہ پر صرف مسلمانوں کی رائے لی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا اور کانگریس کے پیش کردہ تصور خود ارادیت کو تسلیم کر لیا گیا تو انتخابات کے بعد ایک نیا تعطل پیدا ہو جائے گا اور بدیسی سامراج بدستور ہندوستان پر مسلط رہے گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ ایک دوسرا کمیونل اوارڈ ہندوستان کے سر تھوپ دیا جائے۔ اگر کانگریس واقعی ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ ان ہتھکنڈوں سے ترک کرکے لیگ سے سمجھوتہ کرے۔ ہر وہ شخص جو ہندوستان کے سیاسی حالات کو غیر جانبداری کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے وہ اسی نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ لیگ کو نظر انداز کرنے یا اس کو کچلنے کی کوشش ہندوستان کے حق میں مفید ثابت نہ ہوگی۔ ہندوستان کی آزادی کانگریس اور لیگ کے اتحاد میں مضمر ہے۔

اجناس خوردنی کی فراہمی و تقسیم کا انتظام حکومت کی نگرانی میں رہے

مولانا رشید ترابی صاحب نے اورینٹ پریس کو اجناس خوردنی کی فراہمی اور تقسیم کے مستقبل میں انتظامات کے بارے میں حسب ذیل بیان دیا ہے "جنگ ختم ہو چکی اور اس کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں کہ سابق طبعی حالات پھر سے عود کر آئیں گے ہمارے لئے ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ آیا اجناس خوردنی کی تجارت کو دوبارہ خانگی افراد کے ہاتھوں میں دیا جائے یا دوران جنگ کی طرح اس کو آئندہ بھی حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے

چونکہ اس مسئلہ کا تعلق ایک ... تجارت کی حیثیت سے ہے اور بہ حیثیت ایک تاجر کے مجھ کو یہ کہنے کا حق ہے کہ اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ جب بھی حکومت اس خصوص میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے کی ضرورت محسوس کرے تو تاجرین کا نقطۂ نظر بھی اس کے سامنے رہے اور وہ ان لوگوں ... وقتی احتجاج سے متاثر ہوکر وہ کوئی ایسا فیصلہ کر بیٹھے جو بالآخر تاجرین کی ... ۔ ... یہ بات ... ہو چکی ہے کہ غلہ انسان کی بنیادی ضروریات زندگی میں سب سے اہم اور مقدم ضرورت غذا کی ہے اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے بلکہ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک ہم ایک ایسے نظام معیشت کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے جس میں ہمارے ملک کے باشندوں کی سب سے اہم اور مقدم ضرورت زندگی یعنی غذا کی فراہمی اور تقسیم ایک ایسے طبقہ کے ہاتھ میں تھی جس کو عرف عام میں "بنیوں" کا طبقہ کہتے ہیں اور جو معاشی اصطلاح میں درمیانی آدمی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ زمانہ امن میں اس طبقہ کے متعلق ہمارے معلومات صرف معاشیات کی کتابوں کی حد تک محدود تھے جن میں عام طور پر اس طبقہ کو تاجر اور کاشتکار کی جونک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ ملک ہم کو اس طبقہ سے اس وقت سابقہ پڑا جبکہ موجودہ جنگ شروع ہوتے ہی اس نے بلیک مارکٹنگ نفع اندوزی اور ذخیرہ بندی جیسے مفاد عامہ کے مضر افعال جس کو احتکار کہتے ہیں اور جو شرعاً بھی ممنوع ہے، کا ارتکاب کرکے لاکھوں بے بس انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس کے بعد حکومت ہند اور بالخصوص حکومت حیدرآباد نے انتہائی فراست اور دانشمندی سے غلہ کی فراہمی اور تقسیم کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے کر عین وقت پر کروڑوں مفلس انسانوں کو ہلاکت سے بچا لیا۔ اس واقعہ نے نہ صرف نفع اندوز طبقہ کو پہلی مرتبہ اپنے صحیح خدوخال میں ہم سے روشناس کر دیا بلکہ یہ حقیقت بھی ہم پر واضح کر دی کہ ہم ایک خطرناک نظام معیشت کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں غذا جیسی بنیادی ضرورت زندگی پر بھی ہم کو کوئی دسترس حاصل نہیں ہے اور وہ ایک ایسے طبقہ کے تصرف میں ہے جس کی دیانت داری سرمعرض بحث میں ہے۔ ہمارا میں اپنی تقریروں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ جس طرح کسی خانگی فرد یا جماعت کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ہوا پانی اور روشنی کو اس طرح اپنے قبضہ میں لے کر من مانی قیمت اور حسب منشا مقدار میں بیچے اسی طرح ...

(بقیہ صفحہ ...)

حیدرآباد میں کوئلہ کی کان کنی

مزدوروں کی فلاح کی تدابیر

صنعتی قوت محرکہ کے ایک اہم ذریعہ کی حیثیت سے کوئلہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ہماری قومی معیشت کے لئے اس کی قدر و قیمت میں اس لئے بھی اضافہ ہو گیا ہے کہ ہماری بعد جنگ صنعتی ترقی کے ان خاکوں کی کامیابی جن کا مقصد ملک کے لاکھوں باشندوں کے لئے آرام دہ زندگی کے وسائل مہیا کر کے ملک کو خوشحالی کی ایک بلند سطح پر لے جانا ہے بڑی حد تک ممالک محروسہ میں پائے جانے والے کوئلہ کی قسم اور مقدار کی مرہون منت ہے۔

حیدرآباد کو اس معدنی دولت سے جو کسی ملک کی معاشی ترقی کے لئے اس قدر ضروری ہے مالامال کرنے میں قدرت نے فیاضی سے کام لیا ہے۔ اس دولت سے بیش ترین فائدہ اٹھانے کی غرض سے حکومت سرکار عالی نے حال ہی میں کوئلہ کی کان کنی کی صنعت سے متعلق حقوق نگرانی حاصل کر لئے اور کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی فلاح و بہبود کو آگے بڑھانے سے متعلق تدابیر کو روبہ عمل لانے کی طرف خاص توجہ کی جا رہی ہے۔

ممالک محروسہ میں کان کنی کے حقوق

سنگارینی کالریز کمپنی لمیٹڈ کو حاصل ہیں جس کے ۵۰٫۰۰ فی صد حصص حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ کوئلہ دو معدنی علاقوں سے نکالا جا رہا ہے۔ ان میں سے ایک کوتھا گوڑم تعلقہ یلندو ضلع ورنگل میں اور دوسرا تانڈور ضلع عادل آباد میں واقع ہے۔ ان دونوں معدنی علاقوں میں کام کرنے والے اشخاص کی مجموعی تعداد تقریباً بارہ ہزار ہے۔ اور بیش ترین سالانہ پیداوار سنہ۱۹۴۵ء میں (۱۹۰۴۳۱۲) ٹن رہی۔

کان کنی کی تاریخ

ممالک محروسہ میں کوئلہ کی دریافت سنہ۱۸۷۱ء میں جیالوجیکل سروے آف انڈیا کے ڈاکٹر ڈبلیو کنگ نے سنگارینی کے قریب تعلقہ یلندو میں کی اور کوئلہ کی خاص پرت (Seam) ابھی تک انہی کے نام سے موسوم ہے۔ سنہ۱۸۸۶ء میں ریاست میں کان کنی کے حقوق کا اجارہ ۹۹ سال کے لئے مسٹر ڈبلیو سی واٹسن اور جے اسٹیوارٹ کو دیا گیا۔ اسی سال انہوں نے حیدرآباد دکن کمپنی کے نام سے ایک کمپنی قائم کی اور تین سال بعد سنگارینی کے معدنی علاقہ سے کوئلہ نکالنا شروع کیا۔ اس علاقہ سے سنہ۱۹۲۰ء تک یعنی ۳۰ سال کی مدت میں ۹۰۲۵۹۴۳۲۴ ٹن کوئلہ نکالا گیا جس کے بعد یہ کوئلہ ختم ہو گیا۔ سنہ۱۹۲۰ء میں سنگارینی کالریز کمپنی قائم کی گئی اور ریاست کے قانون کے تحت اس کی رجسٹری عمل میں آئی۔ اس کمپنی کے ۵۰٫۰۰ فیصد حصص حیدرآباد دکن کمپنی کے قبضہ میں تھے۔ چند ماہ قبل حکومت سرکار عالی نے یہ تمام حصص خرید لئے۔

تانڈور کا معدنی علاقہ

تانڈور کے معدنی علاقے سے کوئلہ پہلے پہل سنہ۱۹۲۶ء میں نکالا گیا اور سنہ۱۹۴۵ء کے ختم تک جملہ ۲۹۳۳۴۰۹ ٹن حاصل کئے گئے۔ وہاں ایک کان ہے جو مارگنس پٹ (Morgan's Pit) کے نام سے مشہور ہے۔ اس کان میں ڈھلوان سطح پر کام ہو رہا ہے اور دو پرتوں سے کوئلہ حاصل کیا جا رہا ہے۔ ایک (Ross Seam) راس پرت ہے جو سنگارینی اور کوتھا گوڑم کی کانوں میں King Seam کہلاتی ہے اور دوسرے (Salar Jung Seam)۔ یہ Ross Seam سے [illegible] فٹ بلندی پر واقع ہے۔ کان کی بیش ترین گہرائی ایک ہزار فٹ ہے۔

کوتھا گوڑم کا معدنی علاقہ

کوتھا گوڑم کا معدنی علاقہ ریل کے ذریعہ بلدہ حیدرآباد سے (۱۸۰) میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کو ۱۴ میل لمبی ریلوے لائن کے ذریعہ این۔ ایس۔ آر کے ڈورنکل جنکشن سے مربوط کیا گیا ہے۔ یہاں کوئلہ پہلے دسمبر سنہ۱۹۳۷ء میں نکالا گیا اور سنہ۱۹۴۵ء کے ختم تک ۳۰۰۰۰۳۳۳ ٹن حاصل کئے گئے۔ یہ معدنی علاقہ تین کانوں پر مشتمل ہے جو برلی پٹ (Birley Pit)، اینڈریوز نکلان نمبر ایک (Andrews' Incline No. 1) اور اینڈریوز نکلان نمبر دو (Andrews' Incline No. 2) کے نام سے مشہور ہیں۔ حال ہی میں ایک اور ڈھلوان سطح والی کان میں کام شروع کیا گیا ہے۔ برلی پٹ میں دو عمودی (shafts) استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک کوئلہ نکالنے کے لئے اور دوسرا آدمیوں اور سامان کی منتقلی اور ہوا کی نکاسی کے لئے۔ کوتھا گوڑم میں ایک پرت سے جسے King Seam کہتے ہیں کوئلہ حاصل کیا جا رہا ہے۔ کان کی بیش ترین گہرائی ایک ہزار فٹ ہے۔

جدید قسم کی مشینیں

چونکہ ان کانوں میں آگ گیس نہیں پائی جاتی اس لئے ان میں عریاں روشنی کے ذریعہ کام کیا جاتا ہے۔ یہ کانیں جدید قسم کی مشینوں سے لیس ہیں۔ دونوں معدنی علاقوں کو برقی قوت کی وافر مقدار پہنچائی جاتی ہے۔ ان میں میکانی اور برقی کارخانے اور کوئلہ کاٹنے کے جدید آلات موجود ہیں۔ زمین دوز راستوں پر برقی قوت سے چلنے والی گاڑیوں کا انتظام ہے اور برقی قوت سے چلنے والے پمپوں کے ذریعہ پانی نکالا جاتا ہے۔ کوئلہ کھودنے کے لئے سوراخ کرنے کو برما استعمال کیا جاتا ہے جو دبی ہوئی ہوا کے ذریعہ کام کرتا ہے۔

کوئلہ کا تجزیہ

یہاں جو کوئلہ دستیاب ہوتا ہے وہ بھاپ پیدا کرنے کے لئے موزوں ہوتا ہے لیکن اس سے کوک تیار نہیں ہو سکتا۔ تجزیہ کے بعد یہ معلوم ہوا ہے کہ اس میں ۵۰ فیصد کاربن، ۳۰ فی صد بخارات، ۱۰ فی صد راکھ اور ۱۰ فی صد رطوبت ہوتی ہے۔ حیدرآباد کے کوئلہ میں گندھک اور فاسفورس کے اجزا نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ البتہ پیرائٹس کی تھوڑی سی مقدار ہوتی ہے جو دھات کے [illegible] نظر آتی ہے۔

حیدرآباد کا کوئلہ زیادہ تر ایم۔ ایس۔ ایم، این۔ ایس۔ آر، میسور اسٹیٹ، جی۔ آئی۔ پی اور بی این ریلویں، طاقت گھر، پارچہ گرنیاں، روئی صاف کرنے والے کارخانے، تیل کو صاف کرنے والے کارخانے اور کاغذ کی گرنیاں خریدتی ہیں۔

شرائط کار

جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے دونوں معدنی علاقوں میں تقریباً بارہ ہزار اشخاص کام کرتے ہیں۔ ان کی اجرتوں کا ہندوستان کے دوسرے معدنی علاقوں میں کام کرنے والے اشخاص کی اجرتوں سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ ماہانہ ۲۵ روپیہ یا اس سے کم تنخواہ پانے والے مزدوروں کو فی الحال ۵۰ روپیہ گرانی الاونس دیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تنخواہ پانے والوں کے لئے الاونس کی شرح تدریجی طور پر کم ہوتی جاتی ہے اور ماہانہ ۱۰۰ تا ۳۰۰ روپیہ تنخواہ کے لئے ۱۵ فی صد الاونس دیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ کانوں کے اندر کام کرنے والے مزدوروں کو فی یوم دو آنے بونس دیا جاتا ہے۔ یہ مزدور ہر ہفتہ ۵ تا ۶ یوم کام کرتے ہیں۔

مراعات

معدنی علاقوں میں بعض خاص سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ غلہ، کپڑا، سگریٹ اور عام استعمال [illegible]

امن عالم اور پس ماندہ اقوام

از

پروفیسر وسو سیور راؤ

جنگ جیت لی گئی مگر یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ امن جیتنے کے لئے اشتراک عمل کی ضرورت جنگ جیتنے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ہم دائمی امن قائم کرنے کے متمنی ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ دنیا سے بھوک، امراض اور جہالت کا قلع قمع کیا جائے۔ اقوام متحدہ نے سان فرانسسکو میں ایک جامع لائحہ عمل مرتب کیا ہے جس میں خوراک و روئی کی منصفانہ تقسیم کے علاوہ معاشی ترقی، معاشرتی نشوونما اور اعلیٰ معیار زندگی فراہم کرنے سے متعلق بھی تجاویز درج ہیں۔ یہ ایسے عوامل ہیں جن کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے لیکن سوال یہ ہے کہ بین الاقوامی امن کے علمبرداروں نے کبھی اس پر عمل بھی کیا ہے۔ بہرحال اس سے ایک چیز واضح ہو جاتی ہے کہ جنگ جیتنے والے امن کے مسائل کو کس طرح حل کرنا چاہتے ہیں۔

اگر دائمی اور دیرپا امن ہی مقصود اصلی ہے تو نظام نو کو منصفانہ بنیادوں پر قائم کرنا چاہئے۔ معاشی میدان میں اقوام کا اشتراک عمل ہی امن کا ضامن ہو سکتا ہے۔ مگر سابقہ تجربہ یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۹ء تک وہی لوگ معاشی آزادی کی راہ میں مزاحمتیں پیدا کرتے رہے جو بین الاقوامی معاشی اشتراک عمل کے علمبردار تھے۔

اگر انگلستان اور امریکہ جیسے ممالک اپنے اعلیٰ معیار زندگی کو برقرار رکھنا چاہتے ہوں تو انہیں اس امر کی آزادی حاصل کرنی پڑے گی کہ دنیا کے بازاروں میں ان کی فاضل صنعتی پیداوار آسانی سے فروخت ہو سکے۔ لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جو ممالک معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ نہیں وہ بھی خود مکتفی ہونے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشی حیثیت سے ترقی یافتہ ممالک کو چاہئے کہ پس ماندہ ممالک کے معیار زندگی کو بلند کریں اور اس مقصد کے لئے ایثار سے کام لیں کہ خود اپنے معیار زندگی کو گھٹائیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا جبکہ ترقی یافتہ ممالک حقیقت میں امن عالم کے خواہش مند ہوں۔ تاوقتیکہ مختلف اقوام معاشی مساوات حاصل نہ کریں اور معیار زندگی تمام اقوام کا یکساں نہ ہو جائے بین الاقوامی معاشی اشتراک عمل کے معنے یہ ہو جائیں گے کہ ترقی یافتہ ممالک پس ماندہ ممالک سے استعمال ناجائز کریں۔

مابعد جنگ دور میں مسئلہ زر کی نسبت بھی اشتراک عمل کی ضرورت محسوس ہوگی۔ مسئلہ زر مابعد جنگ دور میں ایک پیچیدہ صورت اختیار کرے گا۔ بریٹن اووڈس کانفرنس میں اس مسئلہ پر غور کیا گیا۔ اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ کرنسی کا ایک ایسا معیار مقرر کیا جائے گا جو تمام ممالک کے لئے قابل قبول ہو سکے۔ مگر اس کانفرنس میں ہندوستان کی آواز موثر طریقہ پر شریک نہیں تھی۔ اس کانفرنس کی تجاویز کس حد تک دنیا کے لئے مفید ہوں گی اس کا تصفیہ آئندہ مورخ ہی کر سکتا ہے۔

سان فرانسسکو میں امن عالم کے جس منشور پر دستخط کئے گئے ہیں وہ اس زمانہ کا ایک عظیم الشان دستاویز ہے۔ اکثر مفکرین نے منشور پر یہ کہا ہے کہ اگر اقوام اور جماعات نوع انسان کو جنگ کی ہولناکیوں سے بچا سکتے ہیں تو سان فرانسسکو کا منشور دائمی امن کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ جمعیت الاقوام بھی اسی نوعیت کا ایک ادارہ تھا لیکن بین الاقوامی سیاسیات کے سیلاب نے جس میں ہوس اقتدار غالب تھا اس ادارہ کو بہا دیا۔ بین الاقوامی سیاسیات کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ایک ملک دوسرے ملک پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تسلط کا یہ جذبہ باقی تمام جذبات پر غالب تھا۔

اگر ہم ذرا جمعیت اقوام کی ناکامی کے اسباب پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس ناکامی کے ذمہ دار دول عظمیٰ ہیں۔ صورت حال کو برقرار رکھنا پیٹ بھری قوموں کے لئے منفعت بخش ہوتا ہے لیکن ان ممالک کے لئے جہاں آبادی بڑھتی جا رہی ہو اور جنہیں دنیا کے بازاروں تک رسائی نہ ہو صورت حال کی برقراری ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جمعیت اقوام کی موجودگی کے باوجود متعدد یورپین ممالک کو توازن قوت قائم رکھنے کے لئے ایک دوسرے سے علیحدہ اتحاد قائم کرنے پڑے۔ جمعیت اقوام کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بین الاقوامی اخلاق مفقود تھے۔

امن عالم کا نیا منشور، بعض لوگوں کے خیال میں انسانی فلاح و بہبود کی ضمانت ہے۔ اس کا مقصد بین الاقوامی تصادم کا موثر انسداد ہے۔ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ جدید مجلس حفاظت ہے جس میں اکابر عالم شریک رہیں گے اور حق تنسیخ (ویٹو) استعمال کر سکیں گے۔ ان ممالک نے [illegible] کہ سان فرانسسکو میں اقوام متحدہ نے ایک حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر اختیار کیا اور ایک جدید عالمی تنظیم کو معرض وجود میں لایا۔ اس مجلس کے فیصلوں کو روبہ عمل لانے کے لئے یہ طے کیا گیا کہ اقوام متحدہ مسلح فوجیں استعمال کریں گی۔ مگر افسوس ہے کہ ان اقوام نے اس واقعہ کو فراموش کر دیا کہ جو تصادمات دول کے مابین ہوتے ہیں وہ دستوری نہیں ہیں اور امن کی ناکامی اسی طرح ہو سکتی ہے جس طرح کہ جمعیت الاقوام کی ناکامی۔ ایک اور چیز غور طلب یہ ہے کہ انتقامی تدابیر مقاصد امن اور صیانت عالم کے لئے مضرت رساں ثابت ہوں گے۔ اگر کسی قوم میں ناانصافی کا احساس باقی رہے تو تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی اور کسی وقت بھی جنگ کا وہ آتش فشاں پھوٹ پڑے گا۔ اس کے علاوہ ایٹم بم کے انکشاف سے یہ امر ضروری ہو گیا کہ سان فرانسسکو کے منشور پر نظر ثانی کی جائے جیسا کہ مسٹر ایڈن نے حال میں اس جانب توجہ دلائی ہے۔

ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ جو عناصر بین الاقوامی امن میں انتشار پیدا کرتے ہیں وہ معاشی مسابقت اور مختلف قوموں کے مابین عدم مساوات ہیں۔ جب تک لاکھوں انسان بھوک کا شکار رہیں گے تب تک دیرپا امن کا قیام ناممکن رہے گا۔ محض امن عالم کا منشور مرتب کرنا کافی نہیں۔ اس کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہے کہ اقوام عالم اس منشور کی اسپرٹ کے مطابق کس حد تک عمل کرتی ہیں۔ ضرورت ایک ایسے بین الاقوامی ضابطہ کی ہے جو تمام اقوام کے لئے قابل پابندی ہو۔ اور اقوام متحدہ کے فیصلوں کو روبہ عمل لانے کے لئے ضرورت ہے کہ بین الاقوامی پولیس قائم کی جائے۔ نوع انسان کو احتیاج سے آزادی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ صحیح معنوں میں بین الاقوامی معاشی اشتراک عمل ممکن ہو جائے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ ایسے نظام نو کی تشکیل میں حصہ لے جو اخوت انسانی پر مبنی ہو۔ بین الاقوامی امن کے لئے مشرق اور مغرب کا اشتراک ضروری ہے۔ ہندوستان مشرق اور مغرب کے مابین ایک کڑی کا کام دے سکتا ہے۔ کیا دول عظمیٰ نظام نو کی تشکیل میں اس واقعہ کو پیش نظر رکھیں گے اور ہندوستان اور دیگر محکوم ممالک کی آزادی کا راستہ صاف کریں گے؟

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید

کیا کوئی ہندوستانی دیانت داری کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان کے باشندے سیاسیات کو مذہب سے کبھی الگ کر سکے یا کر سکتے ہیں! کانگریس نے پاکستان کے خلاف ایک قرارداد منظور کی۔ ہندوؤں نے جن میں چند سربرآوردہ کانگریسی لیڈر بھی شامل ہیں اکھنڈ ہندوستان کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور تقسیم ہند کے خلاف لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ کیا قومیت کے ان علمبرداروں میں سے ایک نے بھی ان مقبوضات کے خلاف احتجاج کیا جو ہندوستان میں فرانس اور پرتگال کو حاصل ہیں! کانگریس اس قوم پرستی کی نقالی کر رہی ہے جو مغربی یورپ کے صنعتی علاقوں میں پیدا ہوئی تھی۔ اور یہ اس زمانہ میں جبکہ دنیا ناداروں اور زرداروں کے دو کیمپ میں تقسیم ہو گئی ہے

(اندر سنگھ ایم اے)

سنگاپور کی اطاعت پذیری کے "شرائط نامہ" پر دستخط کرنے سے پہلے جنرل اتاگاکی رو پڑے۔

[illegible]

مگر جنرل موصوف دوسروں کے آنسوؤں پر کافی ہنس چکے تھے۔

سی پی کے ایک کانگریسی لیڈر برج لال بیانی کہتے ہیں کہ:۔

"کانگریس کو چاہیے کہ لیگ کا مطالبہ قبول کر لے بشرطیکہ متعلقہ صوبوں کے باشندے اس مطالبہ کو قبول کریں"

دوسرے الفاظ میں مسٹر برج لال یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کانگریس کو چاہیے کہ لیگ کا مطالبہ مسترد کر دے۔

قابل مدیر "پیام" کا ایک اور خط وصول ہوا ہے جو اس اشاعت میں درج کیا گیا ہے۔ ہمیں مزید خطوط وصول ہونے کی توقع ہے۔ اگر خطوط کا یہ سلسلہ جاری رہا تو انشاءاللہ ہم ان سارے خطوط کو "غالب" کے خطوط کی طرح کتابی صورت میں شائع کر دیں گے۔ قارئین انتظار فرمائیں۔

اصلاح و تعلقات کی مجالس کے صدر کے نام اپنے ایک مکتوب میں مولوی ابوالحسن سید علی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"ہر سال عہدوں کی تجدید کی مصلحت یہ ہے کہ مجلس کے عہدے کسی ایک شخص کی ذات میں مرکوز ہو کر نہ رہ جائیں۔ ہر شخص کو یہ موقع حاصل ہے کہ وہ اپنی خدمت اور قومی مسائل پر غور و فکر کے ذریعہ سے اپنے آپ کو آگے بڑھائے"

تو پھر ہماری یہ اطلاع غلط ہے کہ ملکی مجلس کے عہدہ دار آئندہ سال بھی وہی رہیں گے جو اس سال ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ عہدوں کی ٹھیکہ داری کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا گیا ہے مگر اس کے باوجود یہ ٹھیکہ داری قائم رہی تو اس میں عہدہ داران مجلس کا کیا قصور؟

مجلس کے عہدہ داروں کی ذمہ داریوں کی جانب کارکنوں کی توجہ مبذول کراتے ہوئے مولوی ابوالحسن سید علی صاحب نے فرمایا کہ:۔

"عہدہ دار صاحب فہم مقامی جماعت میں ہر دل عزیز اور جذبۂ خدمت رکھتا ہو۔ ذاتی و شخصی مفادات کو مجلس کے اثر و نفوذ سے آگے بڑھانے کا خواہش مند نہ ہو"

ان ہدایات میں اس قدر اضافہ کیا جاتا تو بہتر ہوتا کہ مجلس کا عہدہ دار برآمدات کے پرمٹ کے لئے پیروی نہ کرے، تحریک امداد باہمی کی مخالفت سے باز آئے اور مرزا مقصود احمد نال صاحب کے مشوروں سے پرہیز کرے۔

پنڈت جواہرلال نہرو نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ ایٹم بم کے زمانہ میں پاکستان کو وجود میں لانا خطرناک ہوگا۔

مسٹر عبدالقیوم دریافت کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان کی تقسیم ایٹم بم کے زمانہ میں خطرناک ہے تو ہندوستان کو برطانیہ سے علیحدہ کرنا کیا خطرناک نہ ہوگا جبکہ ایٹم بم کا نسخہ برطانیہ کے پاس ہے!

ہمارے ایک قدیم مقامی معاصر نے حکومت ہند کی توجہ ان مسائل پر مبذول کرائی ہے جو اختتام جنگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کا دلچسپ تصفیہ وہ ہے جس میں ہماری حکومت سے یہ خواہش کی گئی کہ وہ امریکن فوج کی واپسی پر غور کرے۔

سچ۔ ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

بمبئی کے بازاروں میں کمیونسٹوں پر منظم حملے ہو رہے ہیں۔ کانگریس کے ایک گروہ نے کمیونسٹ اخبار فروشوں اور دوسرے اشتراکیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ ان لوگوں کی بے راہ روی اور تشدد پسندی اس حد تک ترقی کر گئی ہے کہ انھوں نے عورتوں کے احترام کی ہندوستانی روایات کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے اور جن خواتین پر کمیونسٹ ہونے کا شبہ ہوتا ہے انہیں بھی ستانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ (نیا دکن)

یہ بے راہ روی نہیں بلکہ شہری آزادیوں کا استعمال ہے۔ یہ ایک ایسا فطری حق ہے جس کو ہر فرد یا جماعت جس طرح چاہے استعمال کر سکتی ہے اس کو بے راہ روی کہنا فاسطیت اور رجعت پسندی ہے۔ شہری آزادیوں کے اس نظریہ کو سارا ہندوستان تسلیم کرے یا نہ کرے مقامی اسٹیٹ کانگریس کے لیڈر تو اس کے قائل ہیں۔ یقین نہ آئے تو سوامی رامانند تیرتھ سے پوچھ لیجئے۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ایک بیان میں فرمایا کہ اگر ہم واقعی جمہوریت پسند ہیں تو ہمیں کسی شخص کو یہ محسوس کرنے کا موقع نہ دینا چاہئے کہ وہ کسی اقلیت سے تعلق رکھتا ہے۔

وہ کس طرح ممکن ہے جبکہ سردار پٹیل کہتے کچھ اور کرتے کچھ اور ہیں۔ سنہ ۱۹۴۲ء سے پہلے بمبئی میں سردار پٹیل نے مسٹر لال حوض پیرا کا افتتاح کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ حوض ہندوؤں کے لئے مخصوص ہے حالانکہ اس حوض کے لئے ایک قطعہ اراضی کانگریسی وزارت نے دی تھی۔

مدیر "پیام" کا ایک اور مکتوب

بخدمت مدیر صاحب مملکت۔

مکرمی۔ مملکت کی تازہ اشاعت میں میرے مراسلہ کو شائع فرما کر آپ نے اس پر جو تبصرہ فرمایا ہے اس کی نسبت صرف اتنی بات پھر عرض کرتا ہوں کہ زیر بحث گوداموں کی اسکیم نہیں بلکہ صرف یہ سوال ہے کہ اس اسکیم سے اگر معمول زائد منافع سے کوئی رقم دی گئی ہے تو اس کا دینا جائز تھا یا نہیں!۔ آپ اس بحث کی تنگ سرمایہ داروں کے ساتھ میرے معروف سازباز سے ملاتے ہیں۔ اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں اس لئے کہ اس طرز استدلال سے یہ حقیقت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ میں اور آپ کن مختلف مفادات کی نمائندگی کر رہے ہیں۔

محمد عبدالغفار

مدیر "پیام"

محترم مدیر "پیام" جس سلسلہ پر اعتراض کئے جا رہے تھے کہ معمول زائد منافع سے بیس لاکھ کی رقم کمرشیل کے گوداموں کے لئے دینا جائز نہیں۔ آپ نے پچھلے سابقہ مکتوب میں بھی یہی اعتراض کیا تھا اور اپنے متعدد مقالات میں بھی اس امر پر احتجاج کیا تھا۔ اگر یہ رقم واقعی کمرشیل کارپوریشن کو دی جاتی تو ہم بھی قابل مدیر "پیام" کی ہمنوائی کرتے۔ لیکن واقعہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ رقم کمرشیل کارپوریشن کو نہیں دی گئی اور اخبارات میں یہ خبر بھی شائع ہو گئی کہ زراعتی امداد کے لئے پچاس لاکھ کی رقم منظور کی گئی ہے تو مدیر "پیام" بحث کی بنیاد بدل کر فرار کا راستہ نکال رہے ہیں اور اس بحث میں الجھن پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو ہمارے لئے غیر متوقع نہیں ہے۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ "پیام" مختلف ادوار میں مختلف مفادات کی نمائندگی کرتے رہے ہیں اور آج کل ساہوکاروں کے وکیل بنے ہوئے ہیں۔ رہا مملکت تو اس چھوٹی سی غیر فرقہ وارانہ جماعت کا ترجمان ہے جو یہ چاہتی ہے کہ کاشتکار اور مالکین ایک دوسرے سے قریب ہو جائیں اور دیہاتی خلیج اندرون ان دونوں طبقوں کی بہتری سے ناجائز نفع نہ کر سکیں۔ "مملکت"

کمیونسٹوں پر کانگریس کے الزامات

یونائیٹڈ پریس کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔

کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی جن کو مہاتما گاندھی نے ان مختلف بیانات کی جانچ پڑتال کے لئے جو انہیں اپنی رہائی کے بعد سے کانگریس کے خلاف اشتراکی جماعت کی سرگرمیوں کے بارے میں موصول ہوئے ہیں مقرر کیا تھا۔ انھوں نے اب گاندھی جی کو اپنے فیصلہ سے مطلع کر دیا ہے اور ان کا فیصلہ اشتراکیوں کے خلاف ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے اپنے فیصلہ میں کہا کہ ہندوستان کے اشتراکیوں کے خلاف ان کے الزامات یہ ہیں کہ انھوں نے اگست ۱۹۴۲ء والی قرارداد کی روح کے خلاف عمل کیا تھا۔ کاغذات سے ثبوت ملا جن کی انھوں نے تنقیح کی۔ اشتراکی جماعت کے صدر دفتر بمبئی پر دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اشتراکی جماعت نے اب تک ان الزامات کا کوئی جواب نہیں دیا ہے لیکن معلوم ہوا ہے کہ اشتراکی جماعت کو گاندھی جی کا ایک خط موصول ہوا ہے جس میں مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کا مذکورہ فیصلہ درج ہے۔ گاندھی جی اور مسٹر جوشی کی جو خط و کتابت حال میں ہوئی تھی اس میں یاد ہوگا کہ گاندھی جی نے اشتراکیوں کے لیڈر مسٹر پی۔ سی۔ جوشی کی توجہ ان بیانات کی طرف منعطف کرائی تھی جو اشتراکی جماعت کے خلاف گاندھی جی کو مختلف ذریعوں سے موصول ہوئے تھے جس پر مسٹر جوشی نے یہ کہا تھا کہ گاندھی جی اشتراکیوں کے خلاف موصولہ کاغذات کو کسی ایسے حکم کے سامنے پیش کر دیں جو اشتراکیوں سے کوئی تعصب نہ رکھتا ہو چنانچہ مسٹر جوشی نے اس سلسلہ میں بھولا بھائی ڈیسائی۔ راج گوپال چاری اور مسز سروجنی نائیڈو کے نام پیش کئے گاندھی جی نے مسٹر جوشی کی تجویز کو قبول کر لیا اور کاغذات کو مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کے سپرد کیا۔ جنھوں نے اب ان کاغذات کی جانچ پڑتال کے بعد اپنا فیصلہ لکھ دیا ہے جو اشتراکی جماعت کے خلاف ہے۔

یونائیٹڈ پریس آف انڈیا یاد دلاتا ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے آئندہ جلسہ میں مسٹر بھولا بھائی کے فیصلہ کی اس وقت چھان بین کی جائے گی جب کہ ملک میں اشتراکیوں کے خلاف پھیلے ہوئے احساسات کے سلسلہ میں کانگریس سے اخراج کی تحریک پر غور کیا جائے گا۔ بعض حلقوں میں کانگریس کا کہنا ہے کہ اگر اشتراکی اپنے رویہ پر اظہار افسوس کر کے آئندہ کے لئے اچھے برتاؤ کی ضمانت دیں تو ان کو کانگریس میں رکھا جا سکتا ہے لیکن ان کو کانگریس کی جنرل کمیٹی سے علیحدہ رکھا جائے۔ توقع کی جاتی ہے کہ اس بارے میں کانگریس کی مجلس عاملہ کے فیصلہ کا اعلان جنرل کونسل یعنی کانگریس کمیٹی کے آئندہ اجلاس سے پہلے اعلان کر دیا جائے گا۔ (ی۔ پ)

حیدرآباد میں کوئلہ کی کان کنی

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۳)

کی دوسری چیزیں رعایتی شرحوں پر فروخت کی جاتی ہیں۔ جو مزدور فی ماہ ۲۲ دن کام کرتا ہے اسے رعایتی قیمت پر فی روپیہ ۵ سیر اور آٹھ سیر جوار کے حساب سے ۱۰ سیر غلہ خریدنے کی اجازت ہے۔

"برلی پیٹ" میں ایک کینٹین قائم ہے جہاں چائے کافی اور کھانے کا انتظام ہے۔ موسم سرما میں زیر زمین کام کرنے والے مزدوروں کو چائے اور کافی مفت دی جاتی ہے ماہواری بنیاد پر تنخواہ پانے والے ملازمین کے پراویڈنٹ فنڈ قائم ہے جس میں سالانہ ہر ملازم کی ایک مہینے کی تنخواہ اور کمپنی کی طرف سے اتنی ہی رقم داخل کی جاتی ہے اور مجموعی رقم پر چار فیصد سالانہ کے حساب سے سود مرکب ادا کیا جاتا ہے۔ روزانہ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کے لئے ایک کفایتی اسکیم نافذ کی گئی ہے جس میں اصل رقم پر سالانہ پانچ فی صد سود مرکب دیا جاتا ہے۔

طبی سہولتیں

ملازمین اور متعلقین کو مفت طبی امداد بہم پہنچانے کے لئے مناسب انتظامات کئے گئے ہیں۔ تانڈور اور کوٹھا گوڈم دونوں جگہ اسپتال بافوق البنفشی شعاع اور شارٹ ویو تھراپی کے آلات سے لیس ہیں۔ ہسپتالوں کے علاوہ ایک جراثیمیاتی تجربہ خانہ ایک صحت گاہ اور دواخانہ قائم ہیں۔ بیماری کے زمانہ میں مزدوروں کو چاہے وہ مرد ہو یا عورت، رخصت اور دوسری مراعات دی جاتی ہیں۔ دستور العمل ادائی معاوضہ زچگی زچہ خانہ جات کے مطابق کانوں میں کام کرنے والی عورتوں کو معاوضہ زچگی ادا کئے جاتے ہیں اور قانون معاوضہ مزدوران کے تحت مرتب کردہ قواعد کے مطابق حادثات کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔

امداد باہمی کے ذخائر

مزدوروں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے "برلی پیٹ" اور اندرون کھدائی کے علاقوں میں امداد باہمی کی دکانیں قائم کی گئی ہیں چونکہ اس کاروبار میں [illegible] کامیابی ہوئی ہے اس لئے [illegible] کی مخصوص [illegible] کی جدید اسکیم [illegible]

[illegible]

بنگال میں اردو

از

جناب ضیا عاکف صاحب

صدیاں گزریں کہ اردو فاتح و مفتوح کے درمیان باہمی بات چیت کے لئے ہندو مسلم کے مجھونے سے وجود میں آئی۔ اس کے تعلقات بھی مدوجزر میں رہے وہ بانکپن تھا کہ جس نے دیکھی وہ فریفتہ ہو گیا۔ اور جب بارہویں صدی عیسوی کے اختتام میں غالباً جنرل بختیار خلجی کے ساتھ وہ پہلی بنگال آئی تو اس نے اپنی چھب اور انداز سے بنگال کا دل موہ لیا اور گزشتہ صدی کے آخر آخر تک دلدار بنی رہی۔ اس دوران میں بیسیوں انقلابات آئے لیکن اردو پر کوئی انقلاب نہیں آیا۔ بنگال کی تقریباً دو سو سال کی خود مختاری بھی ٹھیس نہ لگا سکی۔ چنانچہ گریرسن اپنی ۱۹۰۳ء کی تقریر میں تصدیق کرتا ہے:

"لفٹننٹ گورنر سر پی گرانٹ کے
اودامل چلیے میں صاحب سدو راجہ ادھا
کانتو بہادر نے جو ایک سنسکرت ڈکشنری
کے مصنف بھی تھے، ویز راجا کالی کرشنا
دیو بہادر راجا اپور باکر شنا دیو بہادر
اور دوسرے بڑے بڑے لوگوں نے
اردو ہی میں تقریریں کیں"۔

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے اردو کا پرچار بنگال میں تو کل نہیں کیا بلکہ بنگلہ کو سراہا اگرچہ اس وقت بنگلہ کا درجہ تھا وہ مسانیاتی حیثیت تھی۔ صرف ایک بولی ڈائی لکٹ (Dialect) تھی جو سو سو کوس کے فاصلے پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتی تھی۔

ان حکمرانوں نے اردو کا خیال نہ کر کے بہت بنگلہ جیسی زبان یا بولی کو اختیار کیا اسے فارسی صرف و نحو دی، عربی الفاظ دیئے اور رامائن و مہابھارت جیسی اعلیٰ کتابوں کا بنگلہ ترجمہ کروا کر بنگلہ کو اس کی بالی عمریا میں شباب کی ساری رعنائیاں بخشیں۔ مسلمان بادشاہوں نے بنگلہ کی سرپرستی کر کے دراصل اردو سے محبت کا ایک بڑا ثبوت دیا۔ بنگالیوں کے دل میں ان کی اپنی زبان کا احساس پیدا ہوتے ہی وہ اردو کے ان دیکھے رنگا رنگ انداز کو بار بار دیکھنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ رنگیلا محبوب ان کے گھر پہنچی تو اپنی اصلی اردو کو بھی ساتھ لیتی گئی۔ اردو کے کھانے کے آگے بنگلہ دب گئی مگر بنگالی ادیب اپنی نئی نویلی دلہن سے بنگلہ واقعی محبت کرتے تھے تاہم وہ اردو کی کم سے کم ظاہری آن بان کے گرویدہ بن چکے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ بنگلہ اپنے ٹھاٹ بدل ڈالے اردو کی پیچ و خم لے لے۔

چنانچہ الاول نے جو بنگلہ کا شاعر تھا اور جو سخت سنسکرتی بنگلہ لکھا کرتا تھا جب پدماوتی سیف الملوک اور بدیع الجمال کا بنگلہ ترجمہ کیا تو بنگلہ خط کی بجائے اردو خط استعمال کیا۔ اس نے اپنا بنگلہ دیوان بھی اردو رسم الخط میں مرتب کیا۔ اس طرح سنی بیناپور چندر لی پانظامی کی مثنوی "ہفت پیکر" کا جب بنگلہ ترجمہ ہوا تو بنگلہ طرز تحریر کی بجائے اردو طرز تحریر اختیار کی گئی۔

بنگلہ کے لئے یہ کوئی حادثہ نہ تھا بلکہ وقت کی پکار تھی۔ لوگ اردو سے عشق کرنے لگے تھے۔ لوگوں نے اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ اردو کی اداؤں میں تو کچھ طرز دلبری ہے۔ اردو میں کیسی بہترین لوچ اور لچک ہے۔ یہ مجموعہ خوبی بخوبی ہے۔ اس میں آئندہ ترقی کا سامان اور قابلیت موجود ہے۔

اس عشق کی بدولت بنگلہ نے ایک نئی چھب دکھائی۔ مسلمان شعرا سے قطع نظر تمام بڑے بڑے ہندو شعرا نے بے انتہا اردو فارسی کے الفاظ استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ مضمون کی طوالت تمام کی مثالوں کی اجازت نہیں دیتی۔ مگر کل ہند شہرت والے ایک مشرقی بنگال کے غیر فانی شاعر دود پانی کا کلام سنئے۔

رام بولیں رحیمن ہندو اور مسلمان
بادگئے قرآن دیران
ایک آتما ہی دوئی بیدا کر ہی مشکل
تکر جمین وا آسمان
اشیا ناشب تبھی نیز حاضر ناظر ستیاب پرو بے
جہاں جتنی سے کرے تہاں تپاپیر نایی تفاوت ہندو مسلم
نہ دیہی نہ جنس جنس کر نہ جو

دوسرا شاعر بھارت چندر اٹھارویں صدی میں گزرا ہے یہ بردوان کے راجہ کرشن چندر کا درباری شاعر تھا۔ مہاراجا نے اس کی شاعرانہ قابلیت کی بنا پر اسے "رائے گناکر" کا معزز خطاب بھی عطا کیا تھا اس شاعر نے اردو عربی و فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال کئے ایک ہی نظم میں جو ۲۰۶ سطروں پر مشتمل ہے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال کئے۔

جہاں پناہ، سلامت، نعمت، تیغ، کرامت، حکم، شاہنشاہ، وزیر، نمک حرام، غلام، مکانی، غالب، قید، بہادری، صاحب، بادشاہ، خوشی، انعام، روز، لشکر، خوب، ہتھیار، خوراک، کمال، قابل، دعا، فرمان، حضرت اور دولت اس کی دوسری نظم جس کا عنوان ہے ملاحظہ ہو۔

وہ جو بڑا دھوم کیا کھانے سوئے نہیں دیا
پھر بڑا گھیر لیا فوج کی سی تولی
بالا خانہ کوٹ گیا تنات سی گھیر لیا
جوان دانا دیا آگ کی سی ہوا
دیکھنے میں ہوا چور پھر سے لیا میری پور
ہماری بلائی دور اور دیے لیا
کچھ لیا ترم ستی اور تیغ لیا گرم ستی
پھیرن جیا دھرم ستی بابا سے ہوا

لیکن لارڈ میکالے نے انگریزی حکومت کی بنیاد مضبوط کرنے کے لئے اس لوریں بگاڑ کر اپنے بغل سے پیوست کر دیا۔ پھر سرام پور کی نصرانی مشنری نے ایک اور حربہ کاری لگائی یعنی کہ مشنری ڈرتے تھے کہ اردو و صحابیات کو اسلام کے متعلق سے آنت کی اور وہ خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ لہٰذا انہوں نے مروج بنگلہ کو پھر سے ترتیب دے کر اس کا ٹائپ بنایا اور بے شمار لٹریچر چھاپ کر گھر گھر پہنچا دیا۔ پھر دوبارہ بنگلہ چہرہ جو دیب کر چکی اور اکھاڑے کا پیسے تنگ نظر اور فرقہ پرست لوگ ہاتھ دھو کر اردو کے پیچھے پڑ گئے اور کلکتہ یونیورسٹی کو ورغلا ورغلا کر اردو کو بنگال سے نکال ہی چھوڑ دیا۔

مگر عشق بھی کہیں مٹتا ہے۔ اردو طرز تحریر کی بنگلہ اب بھی بنگال، آسام کے بعض خاندانوں میں مروج ہے۔ خصوصاً چٹاگانگ اس میں پیش پیش ہے۔ ابھی چند برس ہوئے کہ وہاں سے ایک ہفتہ وار بنگلہ اخبار "افواہ" اردو رسم الخط میں نکلتا تھا لیکن کانگریسیوں اور مہاسبھائیوں کے گندے پروپیگنڈے کر چلنے نہیں دیا۔ اب پھر معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ چٹاگانگ سے نکلنے والا اردو۔

اصل بنگلہ جو تھی گہرائی تھی اور جو آج کل موجودہ نقلی بنگلہ پر حاوی ہے جو تھی اور اردو میں بہت کم فرق ہے اور یہ فرق یقیناً جغرافیائی اثر کا نتیجہ ہے۔ مسلمان اور ہندوؤں کی لکھی ہوئی پوتھیاں اردو کی متوالی یا بہت سے مختلف ہیں اور یہ اتنی شائع ہوئی ہیں کہ دنیا کی بہترین کتابیں ان پر رشک کر سکتی ہیں اور آج بھی اس کی مانگ ہے۔ اس کے محبت آمیز دیہاتیوں کے دل ڈالے ہیں جو تھی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

آتے کو شیا مرد و غصے بلیا ۔ ۔ آنا
جتنی گھوڑا پہ چلے سوار ہو گیا ۔ ۔ جلا گیا
دیکھے دلیا مرد چلے ہوئی رہنے ۔ ۔ دلائی

شناور کن گنا گیا پوچھے جیسے جیسے
کوئی کہے دور پر کیا بیت رہی ہے
ورنہ سے شناور اور پریشان — مگر ویری کی مانند

ہندوؤں کو اعتراف ہے کہ صوفیوں نے عام سے بنگال کو مسلمان ہونے سے بچا لیا۔ انھیں یہ بھی اعتراف ہے کہ ان کا بنگلہ ادب پر بہت بڑا احسان ہے۔ آپ بھی سمجھئے وہ کیسا احسان تھا۔ ان تمام شیوخ نے ہندو مت کا پرچار اس زبان میں کیا جس زبان میں مسلمان مبلغ و صوفی اسلام کی خوبیاں بیان کرتے تھے۔ اور وہ زبان اردو تھی۔

بنگلہ پر اردو کا اثر ایک اور طریقے سے بھی پڑا اور پڑتا ہے اور وہ یہ کہ بنگال کے ہندو زائرین جب برندابن، پریاگ، کاشی و دیگر متبرک مقامات میں جاتے ہیں یا بنگالی مسلمان اجمیر جیسی مقدس جگہوں میں جاتے ہیں تو بالواسطہ یا بلا واسطہ اردو کا اثر لیتے ہیں۔

غرض اردو کے رخسار اور لبوں پر اگر مسلمانوں نے غازے لگائے اگرچہ اردو کی مست آنکھوں میں مسلمانوں نے سرمہ لگایا تو ہندوؤں نے اس کے ہاتھ پاؤں میں مہندی رچا کر کنگن اور کڑے ڈال کر سہاگن بنایا۔

جب مسلمانوں کے زوال کا زمانہ آیا۔ بنگال پر انگریز قابض ہو گئے۔ نواب کے اختیارات چھین لئے گئے مگر انگریز ان کا ادبی حلقہ نہ چھین سکے۔ اس دور انحطاط میں بھی مرشد آباد میں اردو و فارسی شعراء کا جمگھٹا لگا رہتا تھا جس کا تذکرہ پھر کسی آئندہ فرصت میں کروں گا۔ پھر تاریخ نے ایک اور کروٹ لی۔ وارن ہیسٹنگز نے کلکتہ میں صدر دیوانی اور صدر نظامت عدالتیں قائم کیں۔ تمام مقدمات کے فیصلے مسلمان قاضیوں اور مفتیوں کی مدد سے ہوتے تھے۔ نیز تمام درباری کاغذات وغیرہ فارسی میں تھے۔ لہذا وارن ہیسٹنگز نے فارسی داں تیار کرنے کے لئے مدرسہ عالیہ کلکتہ قائم کیا۔ فارسی کی بہن اردو تھی اس لئے اس کی بھی خوب آؤ بھگت ہوئی اور اتنی کہ جو شخص اردو نہیں جانتا تھا وہ جاہل کہا جاتا تھا اور اسے ادبی سوسائٹی میں جگہ نہیں دی جاتی تھی۔

پھر لارڈ ویلیزلی نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ جہاں موجودہ اردو کی بنیاد ڈالی گئی، جہاں اردو کا سب سے پہلا پریس کھولا گیا۔ جہاں قرآن اور بائبل کا اردو ترجمہ کیا گیا، جہاں سب سے پہلے سب سے پہلا جدید طرز کا ناول باغ و بہار لکھا گیا اور اس طرح اردو نے بنگال میں ایک بنیادی درجہ حاصل کر لیا۔ یہاں کے پروفیسروں میں چار پروفیسر خاص بنگالی تھے۔ انشاء مرشد آبادی کے [illegible] گلکرسٹ گئے، حیدر بخش [illegible] کے اور [illegible] الدین کلکتہ کے تھے۔ مولوی [illegible] الدین نے کلکتہ

فورٹ ولیم سے ایک دیگر اخبار بھی اردو کا سب سے پہلا [illegible] سے جاری کیا [illegible] ایڈیٹر بھی تھے۔ اور یہ کم سے کم ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔

کلکتے کو حالات نے اردو کا مرکز بنا دیا تھا۔ کلکتہ نہ صرف بنگال ہی کا بلکہ سارے ہندوستان کا مرکز بن گیا تھا۔ یہاں کی سوسائٹیاں عوام کی [illegible] کے لئے معیار تھیں اور ان سوسائٹیوں پر اردو کا راج تھا۔ چنانچہ اردو بنگال کی تہذیب میں ابھی سرایت کر چکی تھی۔ پھر تاریخ کے دو اہم واقعات نے کلکتہ کی مرکزیت کو بہت زیادہ اہم بنا دیا۔ دوسرے لفظوں میں اردو راج سے رنگ رنگ رس ٹپکنے لگا۔

وہ دو اہم واقعات ایک تو ٹیپو سلطان کی شکست و موت دوسرے اودھ کا الحاق تھے۔ ٹیپو سلطان کے بیٹوں کو کلکتہ میں مقید رکھا گیا اور واجد علی شاہ کو نظر بند۔ یہ دونوں شاہی خاندان کے افراد اپنے ساتھ اعلیٰ کلچر اعلیٰ مذاق لائے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نفیس ترین اردو ان کے ساتھ آئی اسی نفیس کو اسے ایک ہی کوشش میں عوام اپنانا چاہتے تھے۔

میسوری خاندان کا اثر بنگالی تہذیب و تمدن پر بہت کم پڑا لیکن اودھ کے کلچر کا اثر اتنا پڑا کہ کم از کم کلکتے کا ایک حصہ جو مٹیا برج کہلاتا ہے لکھنؤ کا نمونہ بن گیا۔ فی الحقیقت اسے کلکتے کا لکھنؤ ہی کہا جاتا تھا۔ آج سے ۵۰ برس پہلے بھی وہاں کا کوئی فرد ایسی ستھری اردو بولتا تھا کہ دور دور سے لوگ اپنی سماعت کو خوش کرنے اور اپنی زبان کو رنگ دار بنانے کے لئے وہاں آتے تھے۔

ان دونوں واقعات کا اثر عوام اور خواص پر یکساں پڑا۔ بہت سے اردو شعرا پیدا ہوئے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر کے کلکتے کے شعراء کو بیان کرنے سے چھوڑتا ہوں اور چند نام اور چند شعرا کا تذکرہ کئے دیتا ہوں۔

کلکتہ کا سودا بازار کا راج خاندان شعر و شاعری کے لحاظ سے بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس خاندان کی ہر نسل میں کم از کم ایک مستند شاعر ضرور پیدا ہوتا رہا۔ اس خاندان کے آخری ممتاز راجا جادو کرشنا دیب مشتق تھے۔ کلام و زبان کی داد دیجئے —

خفتگان خاک ہیں حیران اس رفتار پر
ہے قیامت کا گماں سب کو تری رفتار پر
نیند تو آتی نہیں جو خواب میں دیکھوں تجھے
حیف آتا ہے مجھے اس دیدۂ بیدار پر

کلکتے کے ایک دوسرے راج خاندان سے راجا جتم جائے سنگھ تھے۔ یہ اردو کے بہت دلدادہ تھے۔ ان کا مجموعہ [illegible] کلکتہ میں کافی مشہور ہے۔ [illegible] کے لئے [illegible] نہیں [illegible] اردو کا شاعر بنا دیا۔ ان کا تخلص [illegible] تھا۔ انھوں نے [illegible] کی [illegible] کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے اور ایک کتاب "تذکرے" کے نام سے تصنیف کی۔

کلکتہ کا ایک اور مشہور شاعر بابو [illegible] ناتھ [illegible] ملک تھا۔ وہ فن شاعری اور اعلیٰ مذاق کی بنا پر بہت مقبول تھا۔ اور اس طرح کی اور حضرات ہیں جن کے دیوان مطبوعہ یا [illegible] وقت دستیاب نہ ہو سکے۔ ورنہ نمونہ کلام ضرور پیش کرتا۔

غرض کلکتہ اردو کا بہت بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔ اب رام موہن رائے کا "مراۃ الاخبار" آغا سید جلال الدین کا "حبل المتین" قاضی عبدالغفار اور مولانا محمد علی کا "ہمدرد" مولانا ابوالکلام آزاد کا "الہلال" جیسے اخبار کلکتے سے نکل رہے تھے۔

۱۹۱۱ء میں دارالسلطنت کلکتہ سے دہلی لے جایا گیا۔ اس سرکاری نظام کی تبدیلی نے اردو کی مرکزیت کو مجروح کر دیا۔ تمام بڑے بڑے عہدے دار جو بنگالی ادب و زندگی پر اثر ڈال رہے تھے کلکتے کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اسی اثناء میں بہار [illegible] قائم ہوا۔ [illegible] کے مسلمان اہل سخن [illegible] رنگ [illegible] اپنے وطن واپس چلے گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو کلکتے میں تھے اور جن کی شاعری [illegible] ایک معیار [illegible] تھی۔ [illegible] کو بے کیف پاکر کہیں اور چلے گئے۔ فارسی و اردو اخبار جو اپنا رنگ بنگالی اخبارات پر چھوڑ رہے تھے یا تو بند ہو گئے یا دوسری جگہ سے شائع ہونے لگے۔ ان تمام باتوں نے ضعف اردو پر ضرب کاری لگائی۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اردو بنگال سے فنا ہو گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کی ہمہ گیری فنا ہو گئی پر اس کا اثر فنا نہیں ہوا۔ کلکتے کے علاوہ بنگال بردوان، ڈھاکہ، چاٹگام میں اب بھی اردو عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ آسام و بنگال سے جو طلبہ مسلم یونیورسٹی یا شانتی نکیتن یونیورسٹی میں جاتے ہیں وہ اردو کا کافی اثر اپنے انداز و بیان میں لے آتے ہیں اور اس طرح اردو کا اثر بنگال سے نہیں جاتا۔

جو دینی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے بنگالی مسلمان بہار و یوپی [illegible] دیوبند، فرنگی محل [illegible] ندوہ، دہلی [illegible] جاتے ہیں اور خاطر خواہ اردو کا بولنا سیکھتے ہیں۔ اس وقت بنگال میں لاکھوں مولانا ہیں اور سب کے سب اردو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اردو میں [illegible] ہیں۔ دیگر مذہبی جلسے یا شادی بیاہ کی جلسوں میں اگر اردو نہیں بھی بولتے تاہم اردو الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ پھر بہار و یوپی کے سارے بنگال پر چھائے ہوئے ہیں۔ بنگال کا کوئی اسٹیشن نہیں جہاں بہار و یوپی کے مزدور نہیں [illegible] انہیں ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ وہ بنگالی مزدوروں سے زیادہ محنتی اور دیانت دار ہوتے ہیں۔ یہی مزدور جنہیں ہم سوسائٹی میں جگہ نہیں دیتے

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۱)

نفع اندوزوں کی وطن پرستی

بقیہ سلسلہ صفحہ اول

چندہ دیتے ہیں اور لیڈروں کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر حکومت سے بڑے بڑے ٹھیکے بھی حاصل کرتے ہیں۔ قومی فنڈ میں چندہ دے کر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک طرح کے کاروبار میں روپیہ لگا رہے ہیں جس سے وہ آگے چل کر نفع کمائیں گے۔ میں یہ کہے بغیر اس مضمون کو ختم نہیں کر سکتا کہ ہمارے قومی لیڈروں اور عوام الناس کو اس قسم کے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ ان سرمایہ داروں کا مقصد حکومت کے ذریعہ ہو یا لیڈروں کے ذریعہ محض نفع اندوزی ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی سے برطانوی حکومت کا آغاز ہوا جس کا مقصد ہندوستان سے دولت حاصل کرنا تھا۔ حکومت ہند بھی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانشین ہے استحصال کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ اب ملک کو یہ خطرہ لاحق ہو رہا ہے کہ موجودہ حکومت ہند کے بجائے کوئی دوسری ایسٹ انڈیا کمپنی وجود میں نہ آ جائے جو ہندوستانی سرمایہ داروں پر مشتمل ہوگی۔ ہمیں اس خطرہ سے ہوشیار رہنا اور ملک کی پالیسی کو اس طرح مرتب کرنا چاہئے کہ وہ سرمایہ داروں کے اثر سے محفوظ رہے۔

اجناس خوردنی کی فراہمی و تقسیم کا انتظام حکومت کی نگرانی میں رہے۔

بقیہ سلسلہ صفحہ (۳)

کرے اور جب امن کے مصالح کا تقاضہ نہ ہو تو انکار کر دے۔ اس طرح گزشتہ تجربہ کی بنا پر آئندہ اس کی اجازت بھی نہیں دی جانی چاہئے کہ غذا کی تجارت اور لین دین کا اجارہ خانگی افراد کے ہاتھوں میں رہے کیونکہ زندگی قائم اور برقرار رکھنے کے لئے وہ کسی طرح ہوا پانی اور روشنی سے کم اہمیت نہیں رکھتی ہم کو یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ قبل جنگ کے معاشی نظام کو دنیائے مابعد جنگ پر دوبارہ

مسلط کرنے کی کوشش کرنا ایک انتہائی درجہ بیہودہ فعل ہوگا۔ جو نتائج کے اعتبار سے سخت خطرناک ثابت ہوگی۔ لہذا میری یہ مخلصانہ رائے ہے کہ جنگ کے بعد جو معاشی نظام بھی مرتب کیا جائے اس میں نہ صرف کلیدی صنعتوں کو حکومت کے ہاتھوں میں رہنا چاہئے بلکہ غذا جیسی اہم اور بنیادی ضرورت زندگی کی فراہمی اور تقسیم کا انتظام بھی حکومت کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہئے۔

(راجدھنی پریس)

بنگال میں اردو

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

بنگالی ہوا میں شراب کی تاثیر پیدا کر رہے ہیں۔ مزید برآں اس رنگ نے بھی بنگال میں اردو کی فضا پیدا کر دی ہے۔ ہماری اتحادی فوجیں بنگال کے دیہاتیوں کو اردو سے آشنا کر چکی ہیں۔ اور بعض بڑی اچھی اردو بولنے بھی لگے ہیں۔

کلکتہ یونیورسٹی کی اردو دشمنی، عدالت و دفاتر کی زبان انگریزی ہونے کے باوجود حاکم، منصف، ناظر، وکیل، پیشکار، قانون گو، سررشتہ دار، مختار، محرر، علاقہ، نائب، منشی، سوال جواب، زبان بندی، جرح، [illegible]، فیصلہ، نقل، تعمیل، داخلہ، دلیل، خزانہ، مال، بقایا، سند، چپراسی، تحویل، کتب، مدرسہ، معلم، قلم دوات، کاغذ، حاضری، اشتہار، حوالدار، چوکیدار، پیادہ، دفتری، اجارہ، تدارک، اطلاع، خبر، اخبار، چھاپہ خانہ وغیرہ ہزاروں الفاظ زبان زد عام ہیں۔ یہ اثر اگر اردو کا نہیں تو پھر کیا ہے!

المختصر اردو بنگال میں اب بھی حکومت کر رہی ہے گو وہ شان و شوکت نہیں رہی۔ مگر انقلابی ہوا چل چکی ہے۔ بنگال کے خیالات اور کلچر ایک بار پھر اردو کے گزشتہ آن بان سے مرعوب ہو رہے ہیں۔ سنسکرتی بنگلہ اردو سے تنگ آ کر گر پڑی ہے اور اردو اپنی گزشتہ تیز گامی اختیار کر چکی ہے۔ نذرالاسلام کی نظموں نے اردو کو بنگلہ سے تنگ نہیں دوبرابر عزیز کر دیا ہے۔ نذرالاسلام کے کلام کے تیور کہہ رہے ہیں ایک نظم میں کا عنوان "..." ہے یوں مطلع ہے۔

نیل سیاہ آسمان نے لال دنیا
اماں! سل تو بودیرا لال کس کا خونیا

قطع نظر اس سے کہ نذرالاسلام کلام بہتوں کا پیار بن چکا ہے انجمن ترقی اردو بنگال کی کوششوں سے اردو اپنی کھوئی ہوئی ہر دل عزیزی حاصل کر رہی ہے۔ انجمن کی کئی شاخیں بنگال کے اضلاع میں پھیل گئی ہیں جن کی مدد سے بنگالی اردو کی آفاقی حیثیت سے واقف ہو رہی ہیں اور پھر بنگال کی سیاسی بیداری نے ایک مشترکہ زبان کی ضرورت کو بہت شدید کر کے اردو کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیا ہے اور وہ دن دور نہیں کہ انجمن کی مدد سے بنگال پنجاب کے نقش قدم پر چل پڑے۔ (ہماری زبان)

حیدرآباد میں کوئلہ کی کان کنی

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

مرکزی گودام قائم کیا جا رہا ہے اس گودام سے اس علاقہ میں رہنے والے باشندوں کی تقریباً تمام ضروریات پوری ہو سکیں گی تجویز ہے کہ کوٹھاگوڈم کی انجمن امداد باہمی کی ایک شاخ تانڈور کے صنعتی علاقہ واقع بیلم پلی میں کھولی جائے۔

تعلیمی سہولتیں

دونوں صنعتی علاقوں میں ملازمین کے بچوں کے لئے کافی تعلیمی سہولتیں مہیا ہیں۔ تانڈور میں ایک سرکاری مدرسہ وسطانیہ اور محکمہ تعلیمات کا تسلیم کردہ میتھوڈسٹ مشن کا ایک مدرسہ تحتانیہ ہے۔ کوٹھاگوڈم میں مشن کا ایک مدرسہ تحتانیہ قائم ہے اور ایک سرکاری مدرسہ زیر تعمیر ہے ایک مدرسہ وسطانیہ کا قیام بھی پیش نظر ہے۔

تفریحی پہلو

کمپنی نے ارباب متعدد تفریحی سرگرمیوں کی ہمت افزائی کرنے میں گہری دلچسپی لیتے رہیں۔ کوٹھاگوڈم میں ماتحت عملہ اور ساہوکاروں کے لئے ایک نیا تفریحی کلب بنایا گیا ہے۔ تانڈور میں پہلے سے ایک کلب موجود ہے "انڈرزنکلان" میں بھی ایک کلب قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ "انڈرزنکلان" اور تانڈور میں ایک اور کوٹھاگوڈم میں دو سینما گھر ہیں ان دلچسپیوں کے علاوہ شو اور ڈراموں نیز بین الشعبہ جاتی فٹ بال ٹورنمنٹوں اور سالانہ اسپورٹس کی وجہ سے جن کے اخراجات کمپنی برداشت کرتی ہے مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

مزید آسائشیں

دستور العمل بہبودی مزدوران معدن ہائے زغال کے تحت کانوں سے نکلنے ہوئے کوئلہ پر فی ٹن چار آنہ کا محصول لیا جاتا ہے۔ تجویز ہے کہ سالانہ تقریباً دو لاکھ روپیہ کی آمدنی مزدوروں کے لئے مزید آسائشوں کی فراہمی پر صرف کی جائے۔

معدنیات کی تعلیم

ملکی حضرات کو اس اہم فن کی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دینے کے لئے انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ سے وظائف تعلیمی دئے جاتے ہیں جو ایسی صورت میں واجب الادا ہوتے ہیں جب کہ طالب علم ہندوستانی درسگاہ معدنیات دھن باد میں تربیت شدہ ہو بلکہ معدنیات کے کوٹھاگوڈم میں کان کنی کی عملی تربیت دینے کے لئے بھی ایک اسکیم نافذ کی ہے اور اگر کار آموز امیدوار موزوں ثابت ہوں تو اس کا امکان ہے کہ انہیں مزید تربیت کے لئے سرکاری مصارف سے باہر بھیجا جائے۔

العظمتہ للہ

آقائے ولی نعمت جلالت الملک حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ کی شاہانہ سرپرستی میں

آٹھویں نمائش مصنوعات ممالک آصفیہ کا

یکم ذی الحجہ سنہ ۶۴ھ م ۳ دے سنہ ۵۵ف م ۷ نومبر سنہ ۴۵ء کو افتتاح ہوگا

نمائش کے مختلف شعبے

(۱) تیار شدہ مصنوعات کا شعبہ ملک سرکار عالی کی قدیم اور جدید صنعتوں کے تیار مال کی نمائش کرے گا۔

(۲) مظاہرہ و تیاری مصنوعات کے شعبہ میں صناع اشیا کی تیاری کے مختلف مدارج اور کام کی نوعیت کا مظاہرہ کریں گے۔

(۳) دستکاری خواتین کے تحت ہماری بہنیں اپنی بنائی ہوئی اشیا پیش کریں گی اسی کے ساتھ ان صناعوں کا سامان شریک رہے گا۔ جو علحدہ اسٹال قائم نہیں کر سکتے۔

(۴) تعلیم اور تعلیمی مصنوعات کے تحت معلوماتی اور افادی مواد فراہم کیا جائے۔

(۵) نمائش ترقیات قلمرو سرکار عالی کے تحت جشن جلوس عثمانی کی مناسبت سے مبارک دور عثمانی میں مختلف محکمہ جات سرکار عالی کی ۳۰ سالہ عظیم الشان ترقی کو پیش کیا جائے گا۔

(۶) تبلیغ و تشہیر اداره جات قومی اپنی نوعیت کا ایک انوکھا شعبہ ہوگا۔

(۷) فنون لطیفہ اور دکھنی ثقافت کے شعبہ کو فائن آرٹ کمرشیل آرٹ فوٹوگرافی اور دکھنی ثقافت سے متعلق حسن کارانہ نمونوں سے آراستہ کیا جائے گا۔

(۸) نمائش مرغاں و مویشی و زرعی اپنی افادیت کے اعتبار سے خاص حیثیت رکھتا ہے۔

(۹) معاشی کانفرنس میں مملکت حیدرآباد کے معاشی مسائل سے متعلق مقالے پڑھے جائیں گے اور ان پر مباحث ہوں گے۔

(۱۰) عثمانین کے تراجم و تالیفات کے شعبہ میں عثمانی برادری کی تصنیفوں تالیفات اور ترجموں کی نمائش کی جائے۔

(۱۱) نمائش اطفال کے شعبے میں ملک کے تندرست اور خوبصورت نونہالوں کی نمائش ہوگی

(۱۲) صوبہ برار اور اضلاع وجاگیرات کے نمائندہ اسٹال سال حال بھی قائم رہیں گے اور مختلف دلکش تفریحات اس کے سوا ہوں گی۔

اسٹال

اس سال نمائش کا نقشہ ملک کے ماہرین فن کی نگرانی میں تیار کیا گیا کہ یہ نقشہ فن کاری اور عوام صناعوں کی سہولت دونوں اعتبار سے بہتر رہے۔

اسٹال

کی تقسیم کے سلسلہ میں موقع کے اعتبار سے ان اصحاب کو ترجیح دی جائے گی جن کی درخواستیں پہلے وصول ہوں گی۔ لہذا جو لوگ اسٹال حاصل کرنا چاہیں وہ درخواستیں بھیجنے میں عجلت فرمائیں۔

نشر و اشاعت

جو صناع یا کاروباری اشخاص کسی وجہ سے نمائش میں شریک نہ ہوسکیں یا شریک ہوتے ہوئے اپنی مزید تشہیر چاہیں ان کو شعبہ نشر و اشاعت کی جانب سے خاطر خواہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی اس سلسلہ میں نشری تشہیر نمائش کی مطبوعات میں اشتہارات پوسٹر بورڈس کرائے اور پکاسکٹ وغیرہ کی تشہیر کا انتظام کیا گیا ہے نیز احاطہ نمائش میں دستی اشتہارات کی تقسیم کی اجازت بھی دی جاسکتی ہے۔

تفصیلات اور نرخ بالمشافہ یا مراسلت کے ذریعہ معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

اپنے ملک کو خود مکتفی بنانے کے لئے

جنگ اور کامل امن کے اس درمیانی اور عبوری دور میں جب کہ جنگ اور امن کی معیشت میں توازن پیدا کرنے کی کوشش ہورہی ہے یقین محکم عمل پیہم اور باہمی تعاون کے بلند عزائم کے ساتھ آگے بڑھیے۔

اپنی مصنوعات کاروبار اور تجارت کو فروغ دینے کے لیے نمائش میں اسٹال قائم کیجیے اور یا شعبہ نشر و اشاعت کے ذریعہ تشہیر کیجیے۔

احمدیہ پریس چار مینار میں طبع ہو کر دفتر مملکت سانچہ سے شائع ہوا۔